از مولانا غلام الرحمٰن صاحب، مدرس و
فاضل دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک

مسودۂ قانون دیّت و قصاص کے بعض زیر بحث نکات

عورت، غیر مسلم اور نابالغ کی شہادت

ان دنوں جب کہ بد قسمتی سے قانون دیت و قصاص کے مسلّمہ اور طے شدہ نکات کو اخبارات و رسائل میں مذموم مقاصد کی بناء پر ہر کہ و مہ کا مشق سخن بنایا جا رہا ہے اس قسم کے کسی نام نہاد محقق اور سکالر کے اٹھائے گئے بعض سوالات کا الحق کے اس مضمون کا تجزیہ کیا گیا ہے جس کا تعلق قصاص و دیت میں عورت، نابالغ اور غیر مسلم کی شہادت سے ہے (سمیع الحق)

روزنامہ مشرق میں کسی ایڈوکیٹ کا ایک مضمون، بعنوان "دیت اور قصاص کے مسودہ قانون کا جائزہ - قصاص سے مستثنٰی قاتل" نظر سے گذرا۔ مضمون کے عنوان سے بظاہر مضمون نگار کا اخلاص مترشح ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ایک خالی اور بے معنی بلکہ مفسد اخلاص ہے۔ مضمون نویس کی اکثر باتیں قرآن و حدیث سے لاتعلقی پر مبنی ہیں۔ کیونکہ صاحب مضمون ہر جگہ اپنی رائے سے قرآن و حدیث کو متصادم کر کے اپنی عقلی توجیہات کو ترجیح دیتے ہیں۔

مثلاً صاحب مضمون لکھتے ہیں :-

"اسلامی قانون کی بنیاد قرآن و سنّت ہے۔ تمام قوانین حالات کو سامنے رکھ کر اجتہاد کے ذریعہ قرآن و سنّت کی روشنی میں تشکیل دئے جاتے ضروری ہیں۔ اجتہاد ہی کے ذریعہ سابقہ فقہا کی رائے سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سابقہ فقہا نے اپنے وقت اور حالات کے تحت قرآن و سنت کی روشنی میں کسی مسئلہ پر رائے دی تھی۔ چونکہ وہ حالات اب نہیں رہے اس لئے ان حالات کے تحت قائم شدہ رائے بھی بدلی جا سکتی ہے۔ موجودہ مجوزہ مسودہ قصاص و دیت میں سابقہ فقہ کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ لیکن حالات کے تقاضے پورے نہیں کئے گئے ہیں"

صاحب مضمون کے مذکورہ جملے اس بات پر دال ہیں کہ ائمہ کرام جو اپنے زمانوں میں محنت و مشقت کر کے لاکھوں مسائل مستنبط کر گئے ہیں۔ یہ مسائل ابھی حالات کے تقاضوں کے موافق نہیں ہیں۔ چند امور چھوڑ کر ترقی کے راہ پر گامزن ہو کر کوئی نئے طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ معلوم نہیں کہ مضمون نگار کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اگر ائمہ اربعہ میں سے

کسی ایک مسلک سے وابستہ ہوں تو پھر براہ کرم یہ نظریہ اور رائے غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو پھر ائمہ مجتہدین کے ان تمام مسائل کو پس پشت ڈالنا ہو گا جن کے لئے ائمہ کرام نے سالہا سال تک رات و دن ایک کر کے محنت کی ہے۔ اور پھر بھی احادیث اور نصوص قرآنیہ سے مسائل کا استنباط کرنا بھی کار سے دارد۔ جو عوام کو تو درکنار خواص کو بھی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا اس فساد و شر کے دور میں ائمہ کرام کی تقلید کے علاوہ کامیابی کا اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہمارے جیسے لاعلموں کے لئے تقلید شخصی واجب ہے۔ چونکہ تقلید کا موضوع خود ایک مستقل موضوع ہے جس پر مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ صرف سید الطائفہ مسند الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دو ارشاد تقلید سے متعلق نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

ان الامۃ اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابۃ وتبع التابعین وھکذا فی کل طبقۃ اعتمدا العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی حسن ذلک لان الشریعۃ لا یعرف الا بالنقل والاستنباط۔ والنقل لا یستقیم الا بان یاخذ کل طبقۃ عمن قبلھا بالاتصال

ترجمہ۔ بیشک تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ شریعت کے سمجھنے میں اسلاف ہی پر اعتماد کرنا ہو گا۔ تابعین نے صحابہ پر اعتماد کر کے دین کو لیا ہے۔ اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا ہے۔ اور ایسا ہی ہر دور کے علماء نے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر دین پر عمل کیا ہے۔ اور عقلا بھی یہ ایک اچھی بات ہے۔ کیونکہ شریعت کا دارو مدار نقل پر ہے۔ اور نقل ماسوائے اس اتباع اسلاف (تقلید) سے اور کسی طریقہ پر ممکن نہیں۔

(عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید ص ۳۶)

اور چند ورق آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:۔

وبما اندرست المذاھب الحقۃ الا ھذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجا عن السواد الاعظم۔

ترجمہ۔ اور (چوتھی صدی ہجری) میں ماسوائے ان مذاہب اربعہ کے اور کوئی حق مذہب نہ رہا تو ان مذاہب کی تقلید اجماع امت اور تقلید نہ کرنا مخالف اجماع امت ہے۔

(عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید ص ۳۸)

لہٰذا ائمہ کرام نے جو مسائل مستنبط کی ہیں۔ وہ آج بھی حالات کے موافق اور مناسب ہیں۔ اگر ایک حکم بظاہر ناموافق معلوم ہوتا ہو تو یہ ہمارا ہی قصور فہم ہو گا۔ نفس الامر میں یوں نہیں ہو گا۔ تاہم اگر ایک مسئلہ ایسا پیش آجائے

جس کا حکم کسی کتاب میں موجود نہ ہو تو پھر مستند علماء اور با اعتماد صاحب علم حضرات ایسے جزئیات کا حکم اپنے مابین مشورہ کر کے قرآن و حدیث اور فقہ سے ان اصولوں کے مطابق نکال سکتے ہیں۔ جن اصولوں پہ فقہ کا دارو مدار ہے لیکن ان حضرات کے لئے بھی خاص شروط ہیں جو کتب شریعت میں موجود ہیں۔ خون کا مسئلہ۔ اور آنکھ کی تبدیلی پر "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کا بحث و تحقیق کے بعد انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے نام سے رسالہ جاری کرنا اس کا بیّن ثبوت ہے۔

لیکن قصاص و دیت یا اس کے علاوہ اور اس جیسے مسائل جن کا حکم صرف ایک کتاب میں نہیں بلکہ تمام کتب فقہ میں موجود ہیں۔ تو پھر اس کے موجود ہونے کے باوجود ان کو چھوڑ کر نئے راستے تلاش کرنا کہاں کا انصاف ہے بلکہ ماسوائے تضیع اوقات اور باعث اضلال و تضلیل کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

نام نہاد دانشور اپنے اس نظریہ اجتہاد کو بیان فرماتے ہیں کہ

"مثلاً مجوزہ آرڈیننس میں قتل عمد کے ثبوت کے لئے عورت کی گواہی اور معصوم بچے کی گواہی کو قابل قبول نہیں سمجھا گیا ہے۔ دفعہ ۱۰ میں قتل عمد کے ثبوت کے لئے دو بالغ مردوں کی گواہی کو ہی ضروری قرار دیا ہے۔ اب فقہاء کے سامنے یہ سوال ہے کہ کیا قرآن و سنت میں عورت اور نابالغ کی گواہی کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ قرآن و حدیث میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے"

صاحب مضمون کی یہ تجویز نفاذ شریعت کے لئے معاون نہیں بلکہ مبطل ضرور ہے کیونکہ یہ اسلام کے خلاف تجاویز دے رہے ہیں جو درحقیقت اسلام کی بیخ کنی ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

شاید صاحب مضمون کو اس حدیث اور آیت کا علم نہیں ہوگا۔ جو حدود اور قصاص میں صرف بالغ مردوں کی گواہی کے متعلق وارد ہے۔ لیکن ان کے عدم علم سے حدیث و آیت کا عدم وجود لازم نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث میں یہ پابندی ہے کہ قتل کے امور میں صرف اور صرف بالغ مردوں کی گواہی ہی ضروری ہے۔ عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔

لحدیث الزهري مضت السنة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين من بعده ان لا شهادة للنساء في الحدود والقصاص وقال الله تعالى واستشهدوا

ترجمہ۔ حضرت زہری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر خلفائے راشدین میں سے شیخین کے دور تک کسی نے حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی ہے جب کہ خداوند قدوس

شهيدين من رجالكم
(زیلعی جلد چہارم صـ ۲۰۸)

خود فرماتے ہیں کہ تم دو آدمیوں کو گواہی کے لئے پیش کرو۔

اور آگے فرماتے ہیں:۔

ولان شهادة النساء فيها شبهة البدلية لان كل اثنين منهن قائمة مقام رجل فلا يقبل فيما يندرأ بالشبهة

ترجمہ۔ اور چونکہ دو عورتوں کا ایک آدمی کے قائم مقام ہو کر گواہی دینے کی وجہ سے شبہ بدلیت ہے۔ لہذا حدود و قصاص میں ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔

اب صاحب مضمون خود غور کریں کیا عورت کی گواہی پر شریعت میں کوئی پابندی ہے یا نہیں۔
ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

" اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی قتل کو ایک بچہ نے جو کہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے اپنی آنکھوں سے خود دیکھتا ہے وہی اکیلا اس قتل کا گواہ ہے۔ باقی گواہ چشم دید نہیں ہیں بلکہ بچہ واقعاتی گواہ ہے تو بچے کی گواہی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ جب کہ فطرتاً ایک بچہ جھوٹ بھی کم بولتا ہے۔ اسے جھوٹ پڑھایا بھی نہیں جا سکتا۔ وہ قاتل کو بھی پہچانتا ہے آلہ قتل کو بھی پہچانتا ہے۔ اپنی زبان سے پورا واقعہ قتل بتا سکتا ہے۔ تو پھر اس کی گواہی کو نظر انداز کر دینا انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے"

واضح ہو کہ ایسے واقعات میں بچے کی گواہی کو اغیا رد دینا عقلاً و نقلاً باطل ہے۔

نقلاً تو اس لئے کہ قرآن مجید نے گواہی دینے کے لئے رجلین کا لفظ استعمال کیا ہے اور قرآن کی مذکورہ آیت سے بچے کی گواہی کا ناقابل قبول ہونا صریح ہے کیونکہ بچے کو رجل نہیں کہا جا سکتا۔ اور نہ اردو زبان میں بچے کو مرد کہا جاتا ہے اور عقلاً بھی باطل ہے۔

۱۔ فقہائے بالاتفاق گواہی کی ادائیگی کے وقت بالغ ہونا شرط قرار دیا ہے۔

ولا تقبل شهادة —— المملوك والصبي لانهما من الولاية ولا ولاية لهما على انفسهما فالاولى ان لا يكون لهما على غيرهما ولاية
(بحر الرائق جلد سابع")

ترجمہ۔ نابالغ اور غلام کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ گواہی ایک طاقت کا استعمال ہے۔ یہ دونوں خود عاجز ہو کر غیر پر کیا طاقت استعمال کریں گے۔

۲۔ یہ مسلمات میں سے ہے کہ گواہی کے لئے عقل کامل کا ہونا ضروری ہے اور یہی وجہ ہے کہ پاگل کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ لہذا اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا نابالغ بچے کی گواہی درست ہے یا نہیں۔ تو یہ ظاہر ہے کہ بچہ ہمیشہ کے لئے کم عقل اور کم ہوشیار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے کی نابالغی کی عمر میں بچہ اپنے مستقبل کی کامیابی کو نہیں سمجھتا۔ بلکہ ایسے بچے

کو والدین یا کسی دوسرے سرپرست کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابھی ایک بچہ اس حیثیت سے ایک واقعہ کو من وعن کہاں محفوظ کر سکتا ہے۔ اور پھر ان حالات میں گواہی کا مکمل اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے بچے کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے۔

۳۔ اور اگر بالفرض ایک نابالغ لڑکا کسی گواہی کو زبانی یاد کرے۔ تو عدالت یا کسی مجاز افسر کے سامنے رعب و جلال اور ہیبت کی وجہ سے مکمل گواہی نہیں سنا سکتا۔

۴۔ نابالغ کی قوتِ ارادی مضبوط نہیں ہوتی۔ اس لئے بصورت ڈرانے یا دھمکانے کے آسانی سے بچہ اپنی گواہی سے منحرف بھی ہو سکتا ہے۔ حقیقت کو غیر حقیقت اور غیر حقیقت کو حقیقت سے تبدیل کر سکتا ہے۔ بخلاف بالغ آدمی کے جو اپنی قوتِ ارادی پر مضبوطی سے ڈٹ سکتا ہے۔ گواہی درست اور صحیح نقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر ایک نابالغ کی گواہی پر عمل کیا جائے تو واللہ اعلم کتنے مفاسد کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی۔

صاحبِ مضمون آگے فرماتے ہیں:-

"غیر مسلم کی گواہی کو بھی نظر انداز کر دینا بھی اسلام کی روحِ انصاف کے مخالف ہے۔"

تو واضح ہو کہ غیر مسلم کی غیر مسلم پر گواہی درست ہے۔ جیسا کہ خود مذکورہ مسودہ آئین کی دفعہ ۱۰ کی شق (ب) میں کہا گیا ہے۔ غیر مسلم کی گواہی مسلمان پر درست نہیں ہے۔ اور یہ اسلام کی روحِ انصاف سے مخالف نہیں بلکہ عین موافق ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:-

وقید بقولہ علی مثلہ لانہا لا تقبل علی مسلم للآیۃ ولن یجعل اللّٰہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا

ترجمہ۔ یعنی غیر مسلم کی غیر مسلم پر گواہی درست ہے لیکن غیر مسلم کی مسلمان پر گواہی درست نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن میں ہے۔ اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ نہیں دے گا۔

(بحر الرائق جلد سابع ص ۹۴)

اور نیز کفار چونکہ فطرتاً اسلام سے بغض رکھتے ہیں۔ لہذا پھر غیر مذہبی حمیت کی وجہ سے اسلام کے ماننے والوں پر کیا کیا جھوٹی گواہی دیں گے۔ جو کہ حقیقت میں اصلاحِ معاشرہ کے لئے ایک تباہ کن چیز بن جائے گا۔

صاحبِ مضمون لکھتے ہیں:-

"دس سال کی عمر سے اوپر کے قاتل قصاص سے مستثنیٰ نہ ہونے چاہئیں۔"

مذکورہ تجویز بھی ایک مضحکہ خیز تجویز ہے کیونکہ شریعت میں مرد کے بلوغ کے لئے کم از کم دس سال کہیں بھی نہیں ہے بلکہ کم از کم بارہ سال ہیں۔ لہذا دس سال کے قاتل کو قصاص سے مستثنیٰ نہ کرنا خلافِ شریعت ہے۔ کیونکہ شریعت میں نابالغ کے فعل پر عدمِ عقل کی وجہ سے قصاص نہیں ہے۔ البتہ عاقلہ سے دیت لینا واجب ہے۔ تاکہ ہر ایک اپنے اپنے نابالغ کا خیال رکھیں۔

آگے فرماتے ہیں :-

" اولاد کے قاتل کا معاملہ بھی عجیب ہے .... کوئی شخص کسی جنسی ترغیب پر اپنی اولاد کو قتل کردے۔ یا جب چاہے دوسرے لڑکوں کی ترغیب پر وراثت سے محروم کرنے کے لئے اپنے لڑکے کو قتل کردے بستوجب قصاص نہیں۔ یہ استثنٰی اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے "

والد کو اولاد کے قتل پر قصاص میں قتل نہ کرنا اہلِ اسلام کا ایک اجماعی مسئلہ ہے خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

لا یقاد الوالد بولده	ترجمہ۔ باپ کو بیٹے کے قتل پر قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہ روایت امام ترمذی کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے قابل احتجاج کی حیثیت سے ذکر ہے۔ جو محدثانہ کلام سے تعلق رکھتی ہے۔ الغرض حدیث میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

۲۔ والد کی ہمیشہ کے لئے اپنی اولاد سے نہایت ہی محبت اور شفقت ہوتی ہے اور بتقاضائے شفقت پدری کوئی سلیم العقل آدمی اپنے بیٹے کو قتل نہیں کرتا۔ لہذا اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگا۔

ولان الوالد لا یقتل ولده غالبا لوفور شفقته فیکون ذلك شبه فی سقوط القصاص (بحرالرائق جلد ثامن صہ ۲۹۶)	ترجمہ۔ باپ عموماً اپنے بیٹے سے شفقت پدری کی وجہ سے بیٹے کو قتل نہیں کرتا تو اس شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوگا۔

۳۔ باپ چونکہ بیٹے کے احیاء اور زندگی کے لئے بظاہر ایک سبب ہے لہذا بیٹے کو اب باپ کے خاتمہ کے لئے سبب نہیں بننا چاہیئے۔

ولان الاب لا یستحق العقوبۃ بولده لانه سبب لاحیائه فمن المحال ان یکون الولد سببا لافنائه (ایضاً)	ترجمہ۔ باپ بیٹے کے قتل پر مستحق قصاص نہیں ہے کیونکہ باپ بیٹے کی زندگی کے لئے ایک سبب تھا تو ابھی بیٹے کا باپ کے فنا کے لئے سبب نہیں ہونا چاہیئے۔

۴۔ باپ اگر مشرک ہو اور بیٹا مسلمان ہو تو باوجود مشرک ہونے کے بیٹا باپ کو قتل نہیں کرسکتا۔ تو قصاص میں کیسے قتل ہوگا۔

ولهذا لا یقتله اذا وجده فی صف المشرکین مقاتلته (ایضاً)	ترجمہ۔ اور باپ بیٹا کو جہاد کے دوران بھی قتل نہیں کرسکتا۔